ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.3 2024

شمیم حیدر ترمذی بحیثیت تاثراتی نقاد

حاجی محمد
پی ایچ ڈی سکالر، اُردو، نیشنل کالج آف بزنس اینڈ ایڈمسٹریشن اینڈ اکنامکس، ملتان کیمپس
ڈاکٹر محمد شکیل پتافی
پروفیسر شعبہ اُردو، نیشنل کالج آف بزنس اینڈ ایڈمسٹریشن اینڈ اکنامکس، ملتان کیمپس

Abstract:
Criticism is a whole wealth for life. Literary criticism helps to understand the criteria of literature. Shamim Haider Tirmizi is a multidimensional personality. As being a top ranked educationist. he also holds the character of Researcher, an authentic writer, expressive critic and His two famous books depicts "Adab Aasar" and "Adab aor Asar" which helps to understand the comprehension of literature. He also tried his best to illuminate the hidden literary fancies for the readers. As a expressive critic he highlights poetry, prose, Hammad, Naat, Humour, novels etc. He also put & positive outlook about other poets, writers, prose writers, novelists even then every type of literature. His criticism proved a helpful tool for better understanding of Urdu literature. As being an expressive critic the depicts as he described in the book. He also felt relaxed when readers can better understand his theology of criticism.

Key words: Shamim Haider Traimzi, Expressive Critic, Romance, Reality of life.

کلیدی الفاظ: شمیم حیدر ترمذی، تاثراتی نقاد، رومانیت، دبستان ملتان، زندگی کی معنویت

ڈاکٹر شمیم حیدر ترمذی ایک ہمہ جہت شخصیت ہیں۔ وہ ماہر تعلیم ہونے کے ساتھ، محقق، خاکہ نگار، انشائیہ نگار اور نقاد بھی ہیں۔ انہوں نے اردو ادب کی تمام اصناف پر تنقید لکھی ہے۔ نظم ہو یا نثر، نعت ہو یا مرثیہ، انشائیہ ہو یا خاکہ انہوں نے ہر طرح کے ادب پاروں میں پنہاں ادبی چاشنی سے قارئین کو رُوشناس کروایا ہے۔ شمیم حیدر ترمذی تاثراتی نقاد ہیں۔ ان کے دو مجموعے ''ادب آثار'' اور ''ادب اور اثر'' شائع ہو چکے ہیں۔ ''ادب آثار'' ان کی تاثراتی تنقید کے مضامین کا مجموعہ ہے۔ جسے دو حصوں، حصہ نثر اور حصہ نظم میں تقسیم کیا گیا ہے۔ نثر کے تحت اکیس مضامین جب کہ نظم کے عنوان کے تحت سینتیس مضامین شامل ہیں۔ ''ادب اور اثر'' کے مجموعے کو تین عنوانات، ''تنقید''، ''تاثر'' اور ''تفہیم'' میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ''تنقید'' کے تحت پچاس، ''تاثر'' میں گیارہ اور ''تفہیم'' میں چودہ تنقیدی مضامین شامل ہیں۔ وہ تاثراتی ناقدین میں اپنی شمولیت کی وجہ یوں بیان کرتے ہیں:

> ''میں تنقید کے مختلف دبستانوں کی ماہیت سے واقف ہونے کے ساتھ ساتھ اُن کی چیرہ دستیوں کا بھی عارف ہوں۔ ایک ناقد جب ہر تصنیف کو اپنے دبستانی شکنجے میں جکڑنے کے فعلِ قبیح میں مشغول نظر آتا ہے۔ تو مجھے تصنیف اور مصنف دونوں پر رحم آتا ہے۔ اسی صورت حال نے مجھے ہمیشہ کے لیے تاثراتی تنقید کا طرف دار بنا دیا ہے۔ مجھے کتاب کا مواد جیسا نظر آتا ہے۔ دوسروں کو ویسا ہی دکھانے میں عافیت اور طمانیت محسوس کرتا ہوں۔''(۱)

تاثراتی تنقید کا دبستان فن پارے کے متعلق خالصتاً ناقد کے تاثرات سے بحث کرتا ہے۔ تاثراتی نقاد کے نزدیک ایسے تمام سوالات غیر متعلق ہیں جن کا تعلق، نفسیات، عمرانیات، اقتصادیات یا تاریخ سے ہو۔ ادب پارے کے مطالعے سے جو مسرت اور تاثر ملتا ہے وہی تاثراتی تنقید کا مطلوب و مقصود ہے۔ تاثراتی تنقید کے بارے میں پروفیسر انور جمال کا کہنا ہے:

> ''تاثراتی تنقید کا عقیدہ زندگی اور اس کے متعلقات کو عین اسی صورت میں دیکھنے اور حظ یاب ہونے پر مبنی ہے، جس صورت میں وہ ہے۔ یہاں سے فن جمال آفرینی اور حُسن کی آفزائش کا موجب بنتا ہے۔''(۲)

تاثراتی تنقید ادب برائے ادب کی قائل ہے۔ تاثراتی نقاد ہر قسم کی اخلاقی، سیاسی اور سماجی ذمہ داریوں سے انکار کرتا ہے اور غیر جانب داری کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اس کے نزدیک خیالات کی صحت، فکر اور زاویے خارج از تنقید سمجھے جاتے ہیں۔ اس کے بعد تاثراتی نقاد کا کام صرف اتنا رہ جاتا ہے کہ وہ کسی بھی فن پارے کا لطف اندوزی کے خیال سے مطالعہ کرے اور اُن کیفیات کی باز آفرینی کرے جن سے مصنف دورانِ تخلیق گزرا تھا۔ انٹرنیٹ پر تاثراتی تنقید (Impressionistic Critism) کے بارے میں درج ہے:

''تاثراتی تنقید، تنقید کی وہ شاخ ہے جس میں نقاد اس کام کا اندازہ لگاتا ہے جس سے اس کے دماغ پر اثرات مرتسم ہوتے ہیں۔ وہ ان رویوں اور احساسات کا خصوصی طور پر اظہار کرتا ہے جو انفرادی طور پر اُس کے روحانی ادراک کا ردِ عمل ہیں۔''(۳)

شمیم حیدر ترمذی نے عرش صدیقی کے افسانوں میں کرداروں کے ظاہری تاثر کا بغور جائزہ لیا ہے۔افسانوں کے بارے میں وہ کہتے ہیں:''باہر کفن سے پاؤں'' میں ظاہری اور علامتی سطحیں اپنی اپنی جگہ بے حد مکمل اور موثر اکائی بنتی ہیں۔(۴) عرش صدیقی کے افسانے ''فرشتہ'' میں جنس کو موضوع بنایا گیا ہے۔اس میں بیگم مراد کے کردار کو تمام تر تلخ حقائق کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔بیگم مراد جس کا نظریہ ثواب کے بارے میں صرف اور صرف جنسی تسکین اور گناہ کے بارے میں جنسی آسودگی ہے۔اس کے سامنے صرف دو ہی صورتیں رہ جاتی ہیں وہ یا تو تمام عمر محرومی کے جنگل میں بھٹکتی رہے یا پھر تمام اخلاقی قیود توڑ کر تر دامنی کی زندگی بسر کرے۔عرش صدیقی نے بیگم مراد جیسے جاندار کردار کو پیش کرکے معاشرے کے ایک اہم مسئلے کی نشاندہی کی ہے۔اس کہانی میں ایسے راستوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔جن پر چل کر معاشرے کا ایک طبقہ جنسی بے راہ روی کی تاریک غاروں میں گم ہو جاتا ہے۔(۵) اسی طرح ان کا افسانہ ''کتے'' اور ''ظل الٰہی'' جنس کے موضوع پر لکھے ہوئے خوبصورت افسانے ہیں جو جنسی بے راہ روی کی راہوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔(۶) شمیم حیدر ترمذی عرش صدیقی کے بارے میں تحریر کرتے ہیں:

''عرش زندگی کے آئینے پر ماضی کی دھول کی دبیز تہہ نہیں دیکھنا چاہتے۔ان کے نزدیک پرانی نسلوں کی قبروں کے نشان قائم رکھنے اور ان پر بیٹھ کر مجاوری کرنے سے کہیں زیادہ اہم یہ ہے کہ زندگی کے عصا سے ماضی کی دیمک جھاڑ کر اس کے سہارے مستقبل کے نیل میں راستہ بنایا جائے۔بزرگوں کی دی ہوئی صحت مند اور جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ روایات کے سہارے اپنے حال کو روشن تر بنایا جائے۔''(۷)

شمیم ترمذی نے ''محبت لفظ تھا میرا... اثری تجزیہ'' کے عنوان سے عرش صدیقی کے نظموں کے مجموعے ''محبت لفظ تھا میرا'' کا بہت خوبصورت تجزیہ پیش کیا ہے۔اُن کے تاثرات یوں ہیں کہ عرش کی نظموں میں جہاں رومانیت نظر آتی ہے۔وہیں حسرت و تشنگی کا احساس بھی ملتا ہے۔نظم ''میں بے ادب تھا'' میں تازہ پھولوں کا تحفہ، خوشبو کی مہک، شب تاریک، اور تنہا ستارے کی چمک گہرے رومانی رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔(۸) ''رائیگاں آزادیوں کے بے ثمر انچاس سال''، نہ ختم ہونے والے سفر، سچائی کی تلاش اور وقت کی ابدیت کی حامل نظم ہے۔''آسیب'' کی صورت میں سحر اور تحیر سے بھرپور نظم بھی مجموعہ کا حصہ ہے۔عرش کے نزدیک محبت کا جذبہ توانا ضرور ہے لیکن، بھوک، پیٹ کی ہو یا جنس کی، اس جذبے کو کمزور کر سکتی ہے۔روٹی انسان کی بنیادی ضرورت ہے اور بنیادی ضرورت کی تشفی بشری کمزوری اور مجبوری ہے۔(۹) ''محبت لفظ تھا میرا'' کے بارے میں شمیم حیدر ترمذی نے اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے:

''لفظ محبت کی تعبیر دراصل محبت کے مختلف روپ ہیں جو عرش صدیقی کی نظموں سے آشکار ہیں۔یہ وہ روپ ہیں جن سے زندگی میں ہر چاہنے اور چاہے جانے والے کا واسطہ ضرور پڑتا ہے۔کبھی یوں ہوتا ہے کہ زندگی کے کسی حصے میں کسی شخص سے معمولی سا تعلق دل کی حساس پلیٹ پر دائمی نقش بن جاتا ہے۔شاعر کی زندگی کے سمندر میں ایک جزیرہ اُبھرتا ہے اور شعر کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے۔محبت ایک موہوم سا نقش، نظم کا محرک بن جاتا ہے۔''(۱۰)

شمیم حیدر ترمذی نے اصغر ندیم سید کے ناولٹ ''آدھے چاند کی رات'' کا نہایت خوبصورتی سے تجزیہ کیا ہے۔اُن کا کہنا ہے کہ یہ کہانی بے جوڑ رشتوں کے بطن سے جنم لینے والی ایک موثر اور خوبصورت کہانی ہے۔اس کہانی میں گھروں کی ٹوٹ پھوٹ اور اپنی حشر سامانیوں کی فضا چھائی ہوئی ہے۔اس کا مرکزی کردار ماہ رُخ نامی لڑکی ہے جو ایک پہاڑی مدرسے کے میوزک روم میں پڑھاتی ہے۔جب کہ دوسرا اہم کردار عامر نامی ایک کم عمر لڑکے کا ہے۔ان کے علاوہ فیصل، چوہدری اقبال اور بشیر احمد کے کردار بھی کہانی کا حصہ ہیں۔اس ناولٹ میں اصغر ندیم سید نے یہ باور کروانے کی کوشش کی ہے کہ اگر عورت کو عزت و احترام نہیں دیا جائے گا اور معاشرے میں اُسے ثانوی حیثیت دی جاتی رہے گی، اس کی انا کا سودا کیا جاتا رہے گا اور اسے صرف یہ باور کرانے کی شعوری کوشش کی جاتی رہے گی کہ یہ معاشرہ صرف مردوں کا معاشرہ ہے، تو یقیناً ایک دن اس کی نسوانیت ضرور مزاحمت کا روپ دھارے گی۔(۱۱) شمیم حیدر ترمذی ''آدھے چاند کی رات'' کے بارے میں اپنے تاثرات کا یوں اظہار کرتے ہیں:

''ناولٹ کے نام پر غور کرنے سے بھی اس کی مقصدیت سمجھ میں آجاتی ہے۔لگتا ہے عورت کو آدھا چاند اور سماج کو رات قرار دیا گیا ہے۔اصغر ندیم سید کے نزدیک موجودہ دور کی عورت اس سماج میں پورے وقار اور اعتماد کے ساتھ اپنی تکمیل کے سفر پر رواں دواں ہے۔اگر عورت نے ہلال سے آدھے چاند تک کی منزل طے کر لی ہے تو اسے بدر کامل بننے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔وہ دن دور نہیں جب عورت ادھوری نہیں کہلائے گی۔وہ جلد ہی اپنے حقوق منوانے اور حاصل کرنے کی جدوجہد میں خارزار سے گزر کر گل مراد پا لے گی۔جب یہ آدھا چاند پورے چاند کے روپ میں سامنے آئے گا۔تو رات کا مقدر بھی سنور جائے گا۔یعنی عورت کی تکمیل سے سماج بھی مکمل ہو جائے گا۔''(۱۲)

ڈاکٹر شمیم حیدر نے ڈاکٹر سلیم اختر کے افسانوی مجموعے ''مٹھی بھر سانپ'' کا بہت عمدگی سے جائزہ لیا ہے۔اُن کے اس بارے تاثرات یہ ہیں کہ اس مجموعے کی گیارہ کہانیوں میں شامل ہیں۔چار کہانیوں کا تعلق زنانہ محبتوں یعنی زنانہ ہم جنسیت سے ہے۔چار کہانیوں کا تعلق امرد پرستی یعنی مردانہ ہم جنسیت جب کہ

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.3 2024

باقی تین کا تعلق محبت اور مجبوری کی آمیزش سے پیدا ہونے والی انوکھی کیفیات سے ہے۔ڈاکٹر سلیم اختر نے قاری کو نفسیات کی بھول بھلیوں اور پیچیدگیوں میں نہیں الجھایا۔ بلکہ موضوعات اور کرداروں کا تجزیہ اس قدر سادگی سے کیا ہے کہ کہانی کی ساری جہتیں خود بخود قاری پر آشکار ہوتی چلی جاتی ہیں۔(۱۳)

زنانہ ہم جنسیت کے موضوعات پر مبنی چار کہانیوں میں احمد بی اے، پی ٹی، سیفو، بنجر مرد اور زرخیز عورتیں اور متوازی خطوط کے تجزیے سے ایک نکتہ واضح طور پر سامنے آتا ہے کہ ہم جنسیت عورتوں کی فطرت یا جبلت کا خاصہ نہیں بلکہ معاشرتی حالات انہیں اس قبیح فعل پر مجبور کر دیتے ہیں۔ڈاکٹر سلیم اختر نے ہر افسانے میں اس علت کا پس منظر اور جواز پیش کیا ہے۔ کہیں عورت اپنے وجود کی ناقدری کا بدلہ لیتی ہوئی نظر آتی ہے۔ تو کہیں ہم جنسیت کا تعلق صرف اور صرف اس لیے رکھنا چاہتی ہے کہ ایک مرد اس کی محبوبہ میں دلچسپی لینا شروع کر دیتا ہے۔ کہیں ماں باپ کی غفلت کے سبب اور کہیں اپنے والدین کی زندگی سے عبرت پکڑ کر شادی سے متنفر خواتین نظر آتی ہیں۔ بعض اوقات بنجر مردوں کی رقابت بھی ان کو اس راہ پر گامزن کرنے کی وجہ بنتی ہے۔(۱۴)

ڈاکٹر عاصی کرنالی کا نام سخن دبستان ملتان میں ایک ستون کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ نامور ادیب، افسانہ نگار، خاکہ نگار اور ممتاز ماہر تعلیم تھے۔اس کے علاوہ نامور نثر نگار اور قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ شمیم حیدر ترمذی نے عاصی کرنالی کی تخلیقات پر چھے مضامین تحریر کیے ہیں۔ جن میں سے ''عاصی کرنالی کے ''ادبی معتقدات...چراغ نظر کی روشنی میں ''اور ''عاصی کرنالی کی غزل''کے نام سے دو مضامین ان کی کتاب ادب آثار میں شامل ہیں۔ جبکہ ''نعتوں کے گلاب''، ''لب خنداں کے اعترافات''، عاصی کرنالی کی ''آواز دل ''اور ''چہرہ چہرہ اک کہانی کا جائزہ''کے عنوان سے چار مضامین ان کی تصنیف ادب اور اثر میں شامل ہیں۔

عاصی کرنالی کے سارے کلام میں مدحیہ شاعری، تاریخ اور سیرت نگاری یکجا نظر آتے ہیں۔ عاصی کرنالی نے نعت کے وسیلے سے اپنی زندگی کی آرزوؤں اور دعاؤں کو آشکار کیا ہے۔ان کی ذات کا ہر گوشہ عشق رسولﷺ سے منور دکھائی دیتا ہے۔اس حوالے سے شمیم حیدر ترمذی نے اپنے تاثرات کا اظہار یوں کیا ہے:

> ''ویسے تو نعت کہنے کا ہر پیرایہ دلنواز ہے۔ لیکن ''نعتوں کے گلاب''میں ایسے فنی تجربوں کا آزمایا گیا ہے۔ جنہوں نے عاصی کے کلام کو تازگی، جدت اور دل آویزی کے اوصاف سے مالا مال کر دیا ہے۔ شاعر نے کہیں بھی بے رس بیانیہ پیرائے میں یا بے اثر سادہ اور سپاٹ انداز میں بات نہیں کی۔ بلکہ شعوری سطح پر اس امر کا اہتمام کیا ہے کہ نعت کے مضمون کی تفہیم کے ساتھ ساتھ قاری شعر کے حسن اور شاعر کی حسن آفرینی اور جدت اظہار کو محسوس کرے۔''(۱۵)

شمیم حیدر ترمذی نے ''لب خنداں کے اعترافات ''کے عنوان سے عاصی کرنالی کی مزاح نگاری پر مضمون تحریر کیا ہے۔وہ کہتے ہیں کہ یہ دراصل عاصی کرنالی کے شگفتہ اعترافات کا مجموعہ ہے۔جو مزاحیہ اور شگفتہ انداز میں کیے گئے ہیں۔یوں تو عاصی کرنالی کی پہچان بطور شاعر ہے لیکن انہوں نے شاعری کے علاوہ مزاح نگاری اور افسانہ نگاری بھی کی ہے۔ عاصی کرنالی کے مزاح کے بارے میں شمیم حیدر ترمذی تحریر کرتے ہیں:

> ''لب خنداں میں عاصی کرنالی نے بلاواسطہ یا بالواسطہ انہی حقائق کا اعتراف کیا ہے۔ جو ان سے یا ان کے طبقہ فکر سے متعلق ہیں۔ دونوں صورتوں میں موصوف نے مزاح کا اعلیٰ معیار، ذوق کی شائستگی، دریا دلی اور عالی ظرفی کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے۔''(۱۶)

عاصی کی غزل میں بہت سے موضوعات ہیں۔ان کی غزل میں فرد کی الجھنیں، ذہنی اور نفسیاتی صورتحال، دکھ سکھ، چاہت، نفرت جیسے متنوع رنگ عکس پذیر ہیں۔ عاصی کرنالی کی غزل کی انفرادیت ان کے موضوعات بھی ہیں۔ تاریخ و تہذیب، روایات و اساطیر، مذہب و سماج کی روح کو شعر کے قالب میں سموتے ہیں۔ عاصی کرنالی کی شاعری کے اوصاف بیان کرتے ہوئے شمیم ترمذی کا کہنا ہے:

> ''عاصی کرنالی کی غزل کے غائر مطالعے سے ایک بات کھل کر سامنے آتی ہے، وہ ہے شاعر کا قادر الکلام ہونا... مضمون کسی بھی نوعیت کا ہو، جب عاصی کرنالی کے شعر میں آتا ہے تو سُبک خرام محبوب کی طرح، غمزہ، وعشوہ و ادا کے جلو میں آتا ہے۔ غزل میں مختلف مزاج اور فضا کے مضامین کی ادائی کے لیے مختلف پیرائے اختیار کئے گئے ہیں۔ ان میں ایک تکنیک بہت ہی پر کشش اور جاذب توجہ ہے اور خصوصاً یہ انداز اس وقت بڑا مزا دیتا ہے جب محبوب کی ذات، بات یا گھات کے حوالے سے ہو۔ شاعر نے اکثر جگہ چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو جوڑ کر شعر کا پیکر تراشا ہے۔''(۱۷)

شمیم حیدر ترمذی نے ''تاریخی تحقیق کا بیش قیمت نمونہ ''کے عنوان سے ڈاکٹر اے۔ بی۔ اشرف کے پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالے بعنوان ''حکیم احمد شجاع اور فن ''پر ایک معلومات افزا مضمون تحریر کیا ہے۔ اس مضمون میں شمیم ترمذی کے تاثرات یوں ہیں کہ حکیم احمد شجاع کی شخصیت اور فن سے متعلق مقالہ میں بہترین اور مدلل مواد فراہم کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر اے۔بی۔ اشرف سے قبل حکیم احمد شجاع کی تصنیفات اور ان کی شخصیت پر کچھ خاص مواد شائع نہ ہوا تھا۔ تاریخ، تحقیق اور تنقید میں ان کا کوئی ذکر نہ تھا۔ اگر کہیں ان کا حوالہ تھا تو وہ بھی نہایت سرسری اور بے رنگ انداز میں۔ ایسی صورت میں ڈاکٹر اے۔ بی۔ اشرف نے کمال حوصلے سے تحقیق کا سفر جاری رکھا اور تحقیقی مواد کا کھوج لگایا۔(۱۸) مقالے کے پہلے باب میں حکیم صاحب کے سوانحی حالات درج کئے ہیں۔ اور ان کی شخصیت کی جامعیت پر بھرپور تبصرہ کیا ہے۔ حکیم صاحب کی پیدائش، خاندان، تعلیم وتربیت علمی و ادبی کارناموں اور ملازمت جیسے پہلوئوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے بعد لاہور، علی گڑھ اور میرٹھ جیسے شہروں سے علمی اور سماجی ماحول کی تصویر کشی بھی کی گئی ہے۔ دوسرے باب میں حکیم احمد شجاع کی مکمل و نامکمل، مطبوعہ و غیر مطبوعہ تصانیف کا تفصیل

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.3 2024

سے جائزہ لیا گیا ہے۔ تیسرے باب میں حکیم احمد شجاع کی ڈرامہ نگاری پر بہت دلچسپ مواد فراہم کیا گیا ہے۔ کیونکہ حکیم احمد شجاع کا اصل میدان ڈرامہ ہے۔ اس لیے اے۔ بی۔ اشرف نے اس باب کو پورے علمی اعتماد اور تحقیقی تیقن کے ساتھ قلمبند کیا ہے اور یہی باب ڈاکٹر صاحب کے تحقیقی مقالے کا مرکز ہے۔ (۱۹) آخر میں اُردو ڈرامہ نگاری میں حکیم احمد شجاع کے مقام و مرتبہ کا تعین کیا گیا ہے۔ اس حوالے سے شمیم حیدر ترمذی تحریر کرتے ہیں:

''ڈاکٹر اے۔ بی۔ اشرف کی یہ کتاب اردو ڈرامہ نگاری میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں حکیم احمد شجاع کی زندگی اور فن پر بے پناہ مواد بھی ہے اور اس مواد کو خوبصورت، منطقی انداز میں مرتب کیا گیا ہے۔ تحقیقی مقالہ ہونے کی وجہ سے اس میں تحقیق کے جملہ عناصر اور اقدامات کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ خیال تھا کہ یہ تحقیق بوجھل اور ادق زبان اور اصطلاحات کی زد میں آ کر قاری کو مصیبت میں ڈال دے گی۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔'' (۲۰)

مشتاق احمد یوسفی کی کتاب ''آبِ گم'' کے حوالے سے زندگی کی معنویت کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ مشتاق یوسفی نے اپنی تحریروں میں تاریخ عالم، تاریخ اسلام اور تاریخ پاک و ہند کے حوالوں سے معنویت پیدا کی ہے۔ انہوں نے ماضی کے بطن سے حال سے مستقبل کی زندگی کے لیے اصول نکالے اور تاریخی واقعات سے قومی زندگی کو سنوارنے کی راہ نکالی ہے۔ ''آب گم کی معنویت'' کے عنوان کے تحت ''آبِ گم'' کے مضامین شہر دو قصہ، حویلی، سکول ماسٹر کا خواب، کار، کابلی والا اور اللہ دین بے چراغ، پر اپنے تاثرات کا اظہار کیا ہے۔ آبِ گم کا جائزہ لینے کے بعد شمیم ترمذی نے اپنے تاثرات کا یوں اظہار کرتے ہیں:

'' ''آبِ گم'' محض خالص مزاح پیدا کرنے، پُر لطف جملے بنانے اور ہنسنے ہنسانے کا اہتمام کرنے کی کاوش نہیں بلکہ اس کے مزاح کے اندر ایک سنجیدہ لہر ہے جو قاری کو سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے۔'' (۲۱)

''آبِ گم'' محض خالص مزاح پیدا کرنے، پر لطف جملے بنانے اور ہنسنے ہنسانے کا اہتمام کرنے کی کاوش ہی نہیں بلکہ اس کے مزاح کے اندر ایک سنجیدہ لہر ہے جو قاری کو سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ مشتاق یوسفی انسان کو اعلیٰ درجے پر فائز دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان کے نزدیک غصہ، حسد، نفرت اور فتنہ وفساد وغیرہ انسان کے درجے کو گھٹا دیتے ہیں۔ ''آب گم'' کے مختلف کردار انسان کے مختلف رنگ ہیں۔ جو اس کے شرف کے مختلف درجوں کا تعین کرتے ہیں۔ آب گم میں یوسفی کے کرداروں کے بارے میں شمیم حیدر ترمذی کا کہنا ہے:

''مشتاق یوسفی نے آب گم میں ایسے کردار کثرت سے دکھائے ہیں جو 'گندم نما جو فروش'' قبیل سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو زندگی کو حقیقت نہیں تصور گردانتے ہیں۔ جو جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری کو اپنے وجود کی روشن دلیل کہتے ہیں۔ جو زندگی کی معنویت کی جستجو نہیں کرتے بلکہ زندگی کو غلط معنی پہنا کر بزعم خویش زندگی کرنے کا اہتمام فرماتے ہیں۔'' (۲۲)

''ادب آثار'' میں فیاض تحسین کے شعری مجموعے ''رزق ہوا'' کا تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ جبکہ ادب اور اثر میں ''انا کا سفر'' کے عنوان سے فیاض تحسین کی غزل پر تبصرہ کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نظموں کے اس مجموعے میں شاعر یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ رشتوں کی پہچان صرف اور صرف اسی صورت ممکن ہے۔ کہ جب انسان خواہشوں کے جنگل سے نکلے۔ فیاض تحسین کے نزدیک انسانی رشتوں کی گمشدگی اور زندہ حوالوں کی تجسیم کے عمل کے رک جانے کی بنیادی وجہ سماجی نظام سے عدل کا اخراج ہے۔ جب تک عدل قائم تھا، رشتوں کی حرمت قائم تھی اور انسان کا شرف بھی قائم تھا۔ ''رزق ہوا'' کے بارے میں شمیم ترمذی تحریر کرتے ہیں:

''فیاض تحسین نے ''رزق ہوا'' کی نظموں کے ذریعے ایک منظّم فلسفہ حیات کی تشکیل کا اہم کام کیا ہے۔ ان نظموں کے موضوعات ان نظموں کی فضا اور لفظیات دیکھنے میں مختلف ضرور ہیں۔ لیکن ان کے اندر شعوری کوشش سے ایک مربوط نظامِ فکر کو تخلیق کیا گیا ہے۔'' (۲۳)

''انا کا سفر'' فیاض تحسین کی غزلیات کا مجموعہ ہے۔ ''انا کا سفر'' کے بارے میں ڈاکٹر ترمذی تحریر کرتے ہیں کہ اس مجموعہ کی شاعری میں وہ بصیرت سے زیادہ بصارت پر بھروسہ کرتے ہیں۔ ان کی غزلوں میں کبھی محبوب کو اعتبار دلانے کی سعی کی جاتی ہے تو کہیں محبوب کو اپنی زیبائی کا احساس دلاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کہیں موسموں کا ذکر ہے تو کہیں پرندوں کا، کہیں دل کی ویرانی کا عالم بیان کرتے ہیں۔ تو کہیں سرابوں کے سفر کا ذکر کرتے ہیں۔ (۲۴)

فیاض تحسین کی غزل کے بارے میں شمیم ترمذی کے تاثرات ملاحظہ کیجئے:

''میں نے فیاض تحسین کی غزل کا تجزیہ صرف ''انا کے سفر'' کے حوالے سے کیا ہے۔ شاید اس لیے کہ غزل کے ہر شعر میں فیاض خود موجود ہے اور اس کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ وہ کارزارِ انا میں بالکل اکیلا ہے۔ اسی انا کا اعجاز ہے کہ نظم کی طرح اپنی غزل میں بھی وہ دوسروں سے الگ نظر آتا ہے۔ مجھے فیاض، اس کی نظم، اس کی غزل اچھے لگتے ہیں۔ یہ تاثر خالصتاً ذاتی ہے۔ تاہم اگر کوئی پڑھا لکھا شخص میرے اس تاثر میں شریک ہونا چاہے تو مجھے وہ بھی اچھا لگے گا۔'' (۲۵)

شمیم حیدر ترمذی نے لطیف الزماں خان اور انور جمال کی خاکہ نگاری پر دو تنقیدی مضامین تحریر کیے ہیں۔ شمیم ترمذی نے لطیف زمان اور انور جمال کی خاکہ نگاری پر دو تنقیدی مضامین تحریر کیے ہیں اُن کا کہنا ہے کہ لطیف الزماں خان نے جتنی شخصیات کو اپنے خاکوں میں موضوع بنایا ہے وہ کافی حد تک ایک دوسرے

سے مختلف ہیں۔ سبھی ادیب اور دانشور تو ہیں لیکن ان کے درمیان جسمانی ساخت، مزاج، معاشی وسماجی درجے، ناک نقشے، عادات و کردار، علمی وادبی قد کا بہت زیادہ فرق ہے۔ ان کے خاکہ نگاری کے مجموعے ''ان سے ملئے'' میں قاری کو یکسانیت نظر نہیں آتی۔ انہوں نے ہر خاکے میں صاحب خاکہ کا حلیہ بیان کیا ہے۔ اس کی جسمانی ساخت، نین نقش اور ناک کان کی بناوٹ تک کو محدب عدسے سے دیکھا ہے اور خشوع وخضوع سے پیش کیا ہے۔ بلاشبہ صاحب خاکہ کی جسمانی ساخت کو جزئیات کے ساتھ بیان کرنا اور شخصیت کی جیتی جاگتی تصویر قاری کے ذہن میں منتقل کرنا لطیف الزماں کی خاکہ نگاری کا اہم وصف ہے۔ پروفیسر انور جمال کے بارے میں کہتے ہیں کہ انور جمال ایک معلم ہیں۔ ان کے اکثر خاکے علم و تعلم سے منسلک لوگوں کے ہیں۔ وہ دنیائے شعر وادب کا ایک معروف نام ہیں اور ان کے خاکوں کا موضوع وہی دوست احباب ہیں۔ جو ادب سے خاص ربط رکھتے ہیں۔ جیسا کہ اردو خاکوں میں حلیہ نگاری کو خاص حصہ سمجھا جاتا ہے۔ انور جمال نے بھی اس روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے اپنے دوستوں کے قد کاٹھ، رنگ، جسامت، حرکات اور چال ڈھال کو نہایت قرینے کے ساتھ پیش کیا ہے۔ انہوں نے شخصیت کے مزاج کے مطابق ہی خاکے کے خمیر کو ڈھالا ہے۔ شخصیت کے رہن سہن کے مطابق خاکے میں حالات تحریر کیے ہیں۔ انور جمال کی خاکہ نگاری کے بارے میں شمیم ترمذی کا کہنا ہے:

> ''انور جمال کے خاکے پہلے سے بنے راستے پر، اصطلاحی زنجیروں میں جکڑے، ایک ہی انداز اور ایک ہی رفتار سے نہیں چلتے اور نہ کسی منطقی ترتیب کے پابند ہیں بلکہ یبوست اور یکسانیت سے دامن بچا کر تنوع کی راہ پر بے نیازی اور ناز نخرے سے رواں دواں نظر آتے ہیں۔ اسی تنوع نے ان خاکوں کو پڑھنے کی شے بنا دیا ہے۔ خاکہ نگار نے شاید شعوری سطح پر ہر خاکے کو شخصیت کا رنگ دیا ہے۔'' (۲۶)

انور جمال خاکہ نگاری کے علاوہ بحیثیت شاعر بھی اردو غزل گوئی میں ایک منفرد پہچان رکھتے ہیں۔ انہوں نے غزل میں اپنی ذات کے آشوب کو منظوم کیا ہے۔ شمیم حیدر ترمذی نے انور جمال کے شعری مجموعے ''نصف النہار'' کا تنقیدی جائزہ اپنے مضمون ''شہر آشوب لکھنے والا شاعر...انور جمال'' میں لیا ہے۔ اس بارے میں اُن کا کہنا ہے:

> ''انور جمال کے شعری مجموعے ''نصف النہار'' کے غائر مطالعہ سے مجھے یہ قوی تاثر ملا ہے کہ یہ غزلوں کا مجموعہ نہیں، ایک نظم مسلسل بلکہ شہر آشوب ایسا شہر آشوب جو کربِ ذات سے شروع ہو کر سماجی اقدار کے نوحے پر ختم ہوتا ہے۔ انور جمال جیسا توانا شاعر جب شہر آشوب نظم کرتا ہے تو یوں لگتا ہے جیسے اس نے قاری کے سامنے جامِ جمشید رکھ دیا ہے جس سے وہ موجودہ دور کی ہولناکیاں اور سفاکیاں دیکھنے کے ساتھ ساتھ آنے والے دَور کی ویرانیوں کا تماشا بھی کر سکتا ہے۔ اس سے شاعر کا مقصد محض اپنی اَنا کی تسکین یا نفس کا تنقیہ نہیں بلکہ اپنی تخلیقی شخصیت کا ترفع ہے۔ اسی ترفع کے وسیلے سے شاعر نے انقلاب اور اصلاح احوال کی کوشش بھی کی ہے۔'' (۲۷)

شمیم حیدر ترمذی نے تاباں عابدی کی ہائیکو کے حوالے سے ایک مختصر مضمون تحریر کیا ہے۔ جس میں وہ رقمطراز ہیں کہ تاباں عابدی بنیادی طور پر غزل گو شاعرہ ہیں۔ غزل کے ہر اچھے شعر میں معنویت کی دنیا آباد ہوتی ہے۔ ہر شعر دیکھنے میں ایک قطرہ لیکن حقیقت میں بے پناہ وسعت کا حامل دریا ہوتا ہے۔ طویل کہانیاں اور حکایات چند لفظوں میں ادا کرنا غزل کا وصف ہے۔ تاباں عابدی نے اسی وصف کو ہائیکو میں آزما کر کامیاب تجربہ کیا ہے۔ اس نے ہائیکو کے موضوعات حقیقی زندگی سے لیے ہیں لیکن زندگی کے کرب کو انہوں نے ذرا دھیمی لَے میں اپنی ہائیکو میں پیش کیا ہے۔ انہوں نے ہائیکو کے تین مصرعوں سے وہی کام لیا ہے جو شاعر غزل کے دو مصرعوں سے لیتا ہے۔ (۲۸) تاباں عابدی کی ہائیکو نگاری کے موضوعات کے بارے میں شمیم حیدر ترمذی رقمطراز ہیں:

> ''دل سوزی اور جاں گدازی کے تاثر کو گہرا کرنے کے لیے تاباں عابدی نے کہیں انسانی رشتوں کے تقدس کے کملائے پھولوں کا ذکر کیا ہے تو کہیں سماجی بندھن کے گہنائے ستاروں کا۔ کہیں انسان کے اندر کی ہولناک تاریکی کی حکایت بیان کی ہے تو کہیں بھری پُری دنیا میں تنہائی کے گہرے احساس کی۔ کہیں زلزلوں کی ردا میں لپٹی زمین کی روداد سنائی ہے، کہیں باراں کی جگہ آگ برسانے والے بادل کی۔ کہیں کشتیاں ڈوبنے کا منظر دکھایا ہے تو کہیں بادبانوں کی دھجیاں بکھیرنے کا۔'' (۲۹)

تاباں عابدی غزل کی عمدہ شاعرہ ہے۔ شمیم حیدر ترمذی نے اپنے تنقیدی مجموعے ادب آثار میں ''مقطع تاباں'' کے عنوان سے تنقیدی مضمون شامل کیا ہے۔ اس مضمون میں انہوں نے تاباں عابدی کے غزل کے مقطع کے حوالے سے اپنے تاثرات کا اظہار کیا ہے وہ کہتے ہیں:

> ''تاباں کے مقطعوں میں بھی ان کی ذاتی اور شخصی زندگی کے حوالے آئے ہیں۔ کئی مقطعے اپنے جواں مرگ بھائی کی فرقت میں کہے ہیں۔ بہت سے مقطعے اپنی سادہ دلی اور ماحول کی روباہی سے متعلق ہیں اور کچھ ماحول کے چوکھٹے میں اپنی ذات کو رکھ کر پرکھنے کے لیے تخلیق کئے گئے ہیں۔ مقطعوں کا یہ مجموعہ ادبی نقطۂ نظر سے زیادہ توانا اور بامقصد ہے۔'' (۳۰)

''ماہیا'' کی شعری صنف پنجاب کے لیے مخصوص رہی ہے۔ شمیم ترمذی نے خاور اعجاز کے ماہیوں کا بھی جائزہ پیش کیا ہے کہ خاور اعجاز کے ماہیوں میں سجنی کی تانگھ، بیسن کی روٹی، گوٹا کناری، گاؤں کی گوری، ساون بھادوں کی رُت، آنگن میں مسہری، گال پر تل اور فقیروں کی کُٹیا، وغیرہ کے موضوعات ملتے ہیں۔

پنجاب کے کلچر کی عکاسی کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے ماہیوں میں معاملات حسن وعشق کا پنجابی زبان میں کُھلا ڈُلا بیان بھی نظر آتا ہے۔ وہ اپنے ماہیوں میں پہلی لائن محض بات شروع کرنے کے لیے لکھتے ہیں اور معنوی تعلق باقی دو لائنوں سے مطلق نہیں ہوتا۔ (۳۱)

شمیم حیدر ترمذی نے ''بزم انیس'' کے عنوان سے میر انیس کی شاعری کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انیس نے تعریف و توصیف کے باب میں عام قصیدہ گویوں کی غیر متوازن روش سے ہٹ کر ایک خاص قرینے اور سلیقے کا اہتمام کیا ہے۔ وہ اپنی بزم کو سجانے کے لیے معیاری زبان کو ہی اظہار کا وسیلہ بناتے ہیں۔ سلاست، وضاحت اور زور بیان میں کوئی ان کا ثانی نہیں۔ میر انیس کے اسلوب کے بارے میں کہتے ہیں:

> ''انیس نے تحریر میں تقریر کی بے ساختگی پیدا کی ہے۔ تمام تر شرفا کی زبان استعمال کی ہے جس میں سنجیدگی، متانت اور نفاست کا رنگ جھلکتا ہے۔ تشبیہیں بے حد سادہ، بے ساختہ اور قدرتی ہیں۔ واقعات مسلسل تصویروں کی طرح آنکھوں کے سامنے آتے ہیں۔ کلام میں ربط و نظم کا اہتمام ہے۔ میر انیس کے مرثیے میں لکھنوی معاشرت کے بنیادی نشان، نفاست پسندی اور تناسب و توازن کا پر تو نظر آتا ہے۔'' (۳۲)

میر انیس کے زمانے میں بین نگاری بہت مقبول تھی۔ بعض نقاد میر انیس کو بین اچھا لکھنے کی وجہ سے مرزا دبیر پر بھی فوقیت دیتے ہیں۔ وہ اہلِ بیت کی مظلومیت کا نقشہ اس طرح سے کھینچتے ہیں کہ سامعین پر رقت طاری ہو جائے۔ انہوں نے نہ صرف عورتوں سے بلکہ مردوں سے بھی بین کروائے ہیں اور اس فن میں کامیاب رہے ہیں۔

شمیم ترمذی نے مرزا غالب کی شاعری پر اثرات جاننے کے لیے ''غالب کی نفسیات'' کے عنوان سے مضمون میں اپنے تاثرات کو یوں بیان کیا ہے کہ غالب اردو شاعری کے قافلے کا سالار ہے اور اردو نثر کی راج دھانی کا حکمران ہے۔ غالب کو یہ شان و عظمت کیوں کر حاصل ہوئی؟ یہ جاننے کے لیے غالب کی بھرپور اور رنگارنگ شخصیت کی نفسیات کا مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ یہ مطالعہ تین زاویوں سے کیا جا سکتا ہے۔ پہلا غالب کی نسلی برتری، دوسرا غالب کے لڑکپن کی آسودہ حالی جب کہ تیسرا ۱۸۵۷ء اور اس کے بعد کی پر آشوب زندگی۔

غالب کے نفسیاتی تجزیے کے بعد شمیم ترمذی تحریر کرتے ہیں:

> ''غالب کے اس نفسیاتی تجزیے کے بعد ان کے کلام کی تفہیم کا کام نسبتاً آسان معلوم ہوتا ہے اور شعراء میں غالب ہی ایسی شخصیت ہے۔ جسے نفسیات انسانی کا گہرا ادراک تھا۔ غالب کو اپنی ذات اور ماحول کا مکمل شعور تھا۔ غالب پیغمبر، فرشتہ، دیوتا یا صوفی نہ تھے۔ غالب کی خواہشات ان کے جذبات و انعکاسات میں ایک گوشت پوست کے زندہ انسان کی اُمنگیں جھلکتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر انسان کو بشرطیکہ غالب کو سمجھتا ہو، غالب کے کلام میں اپنی ہی تصویر دکھائی دے گی۔'' (۳۳)

شمیم حیدر ترمذی نے ابن انشا کے لکھے ہوئے آخری، مزاح سے بھرپور مضمون ''بیمار کا حال اچھا ہے'' کا نہایت خوبصورتی سے جائزہ پیش کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ابنِ انشا نے یہ مضمون بیماری کے دوران تحریر کیا اور پھر انہیں یکجا کر کے ایک خوبصورت اور مکمل مضمون کی شکل دے دی۔ ابنِ انشا بستر مرگ پر ہوتے ہوئے بھی پر امید ہیں کہ وہ بہت جلد شفایاب ہوں گے۔ ہر جگہ رجائیت کا ماحول روشن نظر آتا ہے۔ نہ تو کہیں ان کے جینے کی خواہش کمزور ہوتی ہے اور نہ ہی ان کی حس مزاح مدھم ہوتی ہے۔

ابنِ انشا کی مزاح نگاری کا بڑا وصف صورتحال سے مزاح کی تخلیق ہے۔ بستر مرگ پر موجود شخص اپنی بیماری، ادویات، موت اور دوسرے مریضوں کی آہ و بکا کی وجہ سے یقینا سنجیدہ اور رنجیدہ رہتا ہے۔ لیکن ایسی صورتحال میں بھی زندگی کا لطف اٹھانا اور مزاح کا اہتمام کرنا صرف ابنِ انشاء کا ہی کام ہے۔ انشا کی مزاح نگاری جدت سے ہم آہنگ ہے۔ ان کا اپنا ایک اسلوب ہے۔ شمیم ترمذی کا کہنا ہے:

> ''جدت طرازی، مزاح نگاری کی بنیاد ہے۔ عام سی بات کو نئے اور خاص معنی دینا، بات سے بات نکالنا، روایت سے تغیر پیدا کرنا اور سادہ سی صورت حال کو پُر لطف بنا کر پیش کرنا۔ یہ ایسی خصوصیات ہیں۔ جن کی وجہ سے ابن انشاء اپنے ہم عصر مزاح نگاروں میں منفرد مقام رکھتے ہیں۔ وہ جدت طرازی اور شگفتگی پیدا کرنے کے فن سے پوری طرح واقف ہیں۔'' (۳۴)

ابن انشا کی مزاح نگاری کے حوالے سے ''ادب اور اثر'' میں شمیم حیدر ترمذی نے ابنِ انشا کے خاکہ نما مضمون ''استاد مرحوم'' کا بھی تنقیدی جائزہ ''ابنِ انشا اور استادِ مرحوم'' کے عنوان سے پیش کیا ہے۔ ابن انشا نے پُر لطف انداز میں استاد کی خانگی، مدرسی اور معاشرتی زندگی کی لفظی تصویر کشی کی ہے اور تمام جزئیات کے ساتھ بیان کیا ہے۔ انشا کی جزئیات نگاری کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں:

> ''ابنِ انشا کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے استاد کے اس خاکے کو تکمیل کے زیور سے آراستہ کرنے کے لیے جزئیات نگاری پر بڑی محنت کی ہے۔ روزمرہ زندگی میں اُن کے مشغلوں، اُن کی عادات کو محدب عدسے سے دیکھا ہے۔'' (۳۵)

JAHAN E TAHQEEQ
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.3 2024

ڈاکٹر انوار احمد محقق، نقاد اور افسانہ نگار ہیں۔ آپ تدریس کے شعبہ سے وابستہ رہے۔ افسانہ نگاری ہو یا افسانوں کا تنقیدی جائزہ ان کا اسلوب پر تاثیر ہے۔ اُن کے افسانوں کا مجموعہ ''ایک ہی کہانی'' کا شمیم حیدر ترمذی نے ''انوار احمد کی کہانیاں'' کے عنوان سے اپنے تنقیدی مضمون میں جائزہ لیا ہے۔ ڈاکٹر انوار احمد نے افسانے سماجی اور سیاسی تناظر میں لکھے ہیں۔ ان کے کردار حالات کے جبر اور سماج کی اونچ نیچ کے خلاف مزاحمت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس ضمن میں شمیم حیدر ترمذی کا کہنا ہے:

> ''آج کا انسان آس اور یاس کے درمیان معلق ہے۔ انوار احمد کو وہ قانع لوگ جو اپنی خستہ حالی کو مقدر کا لکھا سمجھتے ہوں، کسی طور بھی اچھے نہیں لگتے۔ اس کے نزدیک ظلم سہتے رہنے اور عدل کے انتظار میں بے عمل ساد ھو بنے رہنے سے کہیں بہتر ہے کہ انسان حالات کے جبر کے خلاف مزاحمت کرے؛ وہ کشاکش حیات میں اپنے حصے کی تگ و دو ضرور کرے۔ تاریکی میں سے روشنی کی کرن نہ چمکے۔ تب بھی اُسے ہوا کے سامنے دِیا جلانے کی کوشش کرنا چاہیے۔ ظلم کے افق سے عدل کا سورج نہ جھانکے، پھر بھی اسے ظلم کے خلاف اپنا احتجاج ریکارڈ کروانا چاہیے۔'' (۳۶)

ڈاکٹر محمد امین ادب میں بطور، فلسفی، اور شاعر اپنی شناخت رکھتے ہیں۔ اردو میں ہائیکو کے آغاز کا سہرا بھی انہی کے سر ہے۔ تنقیدی مقالات کے علاوہ اُن کے ہاں غزل اور نظم بھی پوری شان و شوکت کے ساتھ موجود ہے۔ انہوں نے ہر نظم کی بنیاد کسی نہ کسی فلسفیانہ نظریے پر رکھی ہے۔ ان کی نظم کا پہلا عنصر اپنی ذات کا عرفان، دوسرا عنصر ہجر اور تنہائی، تیسرا عنصر محنتوں کا بے ثمر ہونا جب کہ چوتھا عنصر تحیّر ہے۔ شمیم حیدر ترمذی نے ڈاکٹر محمد امین کی نظموں کے مجموعے ''اور ابھی انتظار کتنا ہے'' کا تنقیدی جائزہ، ''محمد امین کی نظم کے فکری عناصر'' میں اپنے تنقیدی مضمون میں کیا ہے۔ وہ رقمطراز ہیں:

> ''محمد امین کو فکری گہرائی فلسفے نے عطا کی اور اظہار کی قوت، اوزان، بحور پر عبور اور شعر و ریاضت سے ملی۔ یہی سبب ہے کہ اپنی قوت سے آگے بڑھنے والی روئیں ہیں جو دیکھنے والے کو حسین نظارہ، سننے والے کو سحر انگیز موسیقی اور سمجھنے والے کو نئی سوچ کی دولت سے مالا مال کرتی ہیں۔'' (۳۷)

ڈاکٹر شمیم حیدر ترمذی کی تصانیف ''ادب آثار'' اور ''ادب اور اثر'' کے جائزے کے بعد ان کی بحیثیت تاثراتی نقاد جو خدمات سامنے آئی ہیں اُن سے ادب فہمی میں بہت مدد ملتی ہے۔ درس و تدریس سے وابستگی کے ساتھ انہوں نے ادبی صفوں میں بھی نمایاں مقام حاصل کیا ہے۔ اور اپنے مطالعے کا مرکز و محور متعین کرکے بیشتر اصنافِ ادب پر طبع آزمائی کی ہے۔ بحیثیت تاثراتی نقاد، نظم ہو یا نثر، حمد ہو یا نعت، مزاح نگاری ہو یا انشائیہ نگاری، افسانے ہوں یا ناول، ہر صنف اور مصنف کے مثبت پہلوئوں کو اجاگر کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ اس طرح انہوں نے بحیثیت تاثراتی نقاد تنقید کا حق بخوبی ادا کیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ترمذی، شمیم حیدر، ڈاکٹر، ''ابتدائیہ'' مشمولہ ''ادب آثار''، لاہور: کاروان ادب، ۱۹۹۶ء، ص: ۸

۲۔ انور جمال، پروفیسر ادبی اصطلاحات، اسلام آباد: نیشنل بک فائونڈیشن، ۲۰۱۴ء، ص: ۵۷

۳۔ http: // www.pended paper.pk june 4, 2016 at 3:pm.

Orignal text is given below:

"Impressionistic Critism is that branch of criticism in which the critic evaluates a work by the impressions it makes upon his own mind. He expressed the attitude and feelingful responses the work evokes in him as an individual."

۴۔ ترمذی، شمیم حیدر، ڈاکٹر، ادب آثار، ص: ۱۱

۵۔ ایضاً، ص: ۱۶

۶۔ ایضاً، ص: ۱۹

۷۔ ایضاً، ص: ۱۱

۸۔ ایضاً، ص: ۱۶۵

۹۔ ایضاً، ص: ۱۶۳

۱۰۔ ایضاً، ص: ۱۶۱

۱۱۔ ایضاً، ص: ۳۲

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.3 2024

۱۲۔ ایضاً، ص: ۳۳
۱۳۔ ایضاً، ص: ۳۴
۱۴۔ ایضاً، ص: ۳۵
۱۵۔ ترمذی، شمیم حیدر، ڈاکٹر، ادب اور اثر، بیکن بکس، گلگشت کالونی، ملتان، ۲۰۲۰ء، ص: ۵۵
۱۶۔ ایضاً، ص: ۱۶
۱۷۔ ترمذی، شمیم حیدر، ڈاکٹر، ادب آثار، ص: ۱۹۶
۱۸۔ ایضاً، ص: ۵۶
۱۹۔ ایضاً، ص: ۵۹
۲۰۔ ایضاً، ص: ۶۰
۲۱۔ ایضاً، ص: ۶۵
۲۲۔ ایضاً، ص: ۶۴
۲۳۔ ایضاً، ص: ۱۷۶
۲۴۔ ترمذی، شمیم حیدر، ڈاکٹر، ادب اور اثر، ص: ۱۲۲
۲۵۔ ایضاً، ص: ۱۲۳
۲۶۔ ایضاً، ص: ۱۲۷
۲۷۔ ترمذی، شمیم حیدر، ڈاکٹر، ادب آثار، ص: ۱۷۷
۲۸۔ ترمذی، شمیم حیدر، ڈاکٹر، ادب اور اثر، ص: ۳۲۳
۲۹۔ ایضاً، ص: ۳۲۴
۳۰۔ ایضاً، ص: ۳۰۷
۳۱۔ ایضاً، ص: ۳۷۰
۳۲۔ ایضاً، ص: ۱۷۷
۳۳۔ ایضاً، ص: ۴۲۰
۳۴۔ ایضاً، ص: ۴۵۶
۳۵۔ ایضاً، ص: ۳۴۶
۳۶۔ ایضاً، ص: ۵۰
۳۷۔ ترمذی، شمیم حیدر، ڈاکٹر، ادب آثار، ص: ۳۱۶